© rasailojaraid.com



ڈاکٹر حامد خاں حامد

# زندگی اقبالؔ کی نظر میں

اقبالؔ نے زندگی کے متعلق ایک بھرپور نظریہ پیش کیا ہے۔ اس کا اظہار انھوں نے
ہی کلام میں بھی کیا ہے اور اردو کلام میں بھی۔ سب سے پہلے ان کا ایک قطعہ میری توجہ کو
جانب جذب کرتا ہے۔ اس قطعے کا عنوان ہے "زندگی وعمل"۔ انھوں نے یہ قطعہ جرمنی کے
ائیلی شاعر ہائنا کی نظم موسوم بہ "سوالات" کے جواب میں کہا ہے۔ یہ قطعہ پیامِ مشرق میں
۔ اقبالؔ نے اپنی یہ کتاب جرمن حکیم حیات گوئٹے کے مغربی دیوان کے جواب میں یا اس
متاثر ہوکر لکھی ہے۔ "پیامِ مشرق" کے دیباچے میں اس کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔
ائی چند جملے ملاحظہ ہوں۔ "پیامِ مشرق" کی تصنیف کا محرک جرمن حکیم حیات گوئٹے کا
بی دیوان ہے جس کے متعلق جرمنی کا اسرائیلی شاعر ہائنا لکھتا ہے :

"یہ ایک گلدستۂ عقیدت ہے جو مغرب نے مشرق کو بھیجا ہے۔ اس دیوان سے اس امر
ہادت ملتی ہے کہ مغرب اپنی کمزور اور سرد روحانیت سے بیزار ہو کر مشرق کے سینے سے
ت کا متلاشی ہے۔"

دیباچے میں بڑے کام کی باتیں بیان کی گئی ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہاں اتنی
ش نہیں کہ اقبال کے مرقومہ دیباچے پر سیر حاصل بحث کی جائے۔ چند جملے بطور نمونہ درج کیے
ہیں۔ ان سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ اگر گوئٹے کا مغربی دیوان مغرب کا گلدستۂ عقیدت
مشرق کو پیش کیا گیا ہے تو پیامِ مشرق، مشرق کا گلدستۂ عقیدت ہے جو مغرب کو بھیجا گیا ہے۔ ہاں
تھا اس قطعے کا جس کا عنوان ہے زندگی وعمل۔ قطعہ یہ ہے :

ساحل افتادہ گفت گرچہ بسے زیستم　　　　ہیچ نہ معلوم شد آہ کہ من چیستم
موج ز خود رفتۂ تیز خرامید و گفت　　　　ہستم اگر می روم گر نروم نیستم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



متحرک اور سرگرم عمل ہے۔ گویا اقبال کی نظر میں زندگی حرکت و عمل سے عبارت ہے اور موت سکوت و جمود سے۔ ساحل کی زندگی موت سے ہم کنار ہے کیونکہ اس میں سکوت و جمود ہے اور نہ موج بھرپور زندگی کی مظہر ہے، کیونکہ اس میں حرکت و عمل ہے۔ قطعے میں مکالمے کی سی صورت ہے جو کچھ اس طرح ہے۔ ساحل نے بصد حسرت و یاس کہا کہ اگرچہ میں ایک زمانے سے زندہ ہوں لیکن اب تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ میں کون ہوں؟ کیا ہوں؟ میری کنہ کیا ہے؟ میری حقیقت کیسی ہے؟ تیزی سے اُبھرتی، چلتی بل کھاتی موج نے کہا کہ زندگی چلنے کا نام ہے رُک جانا یا ٹھہرنا موت ہے، اس قطعے ہی سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ زندگی اقبال کی نظر میں کیا ہے؟ میں نے اقبال کی نظر میں زندگی کو حرکت و عمل سے تعبیر کیا ہے۔ میں ہی یہ عقیدہ نہیں رکھتا، کم و بیش سبھی اقبال شناسوں کا عقیدہ یہی ہے۔ خود اقبال بھی اس عقیدے کے حامل ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، متعدد اشعار کہے بلکہ ان کی بعض منظومات کا تو عنوان بھی کسی نہ کسی طور سے زندگی ہی ہے۔ سب نظموں یا تمام اشعار کا یہاں جائزہ لینا ممکن نہیں، البتہ چند ایک اشعار کا اندراج ضرور مناسب ہے۔ بانگِ درا میں ایک نظم زندگی کے عنوان سے موجود ہے۔ اس نظم کو پڑھ کر دل و دماغ پہ زندگی کا ایک بھرپور تاثر یا انفسٹ نقش مرتسم ہوتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی

اپنی دنیا آپ پیدا کر اگر زندوں میں ہے
سرِ آدم ہے ضمیرِ کن فکاں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی

آشکارا ہے یہ اپنی قوتِ تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی

خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو

زندگی اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز ہوتی ہے۔ جاں اور تسلیمِ جاں زندگی کے دو روپ ہیں۔ مردانہ جاں سپاری یا سپردگی بھی درحقیقت زندگی ہے۔

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگی است

زندگی امروز و فردا کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہے۔ زندگی خلقتِ آدم اور کن فکاں کا راز ہے۔ کیونکہ کے شب و روز زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بندگی زندگی کو راس نہیں، اسے آزادی کی ضرورت ہے۔ یہ آزادی میں بحرِ بیکراں بن جاتی ہے اور بندگی میں ایک۔ جوئے کم آب۔ زندگی کی حقیقت کا علم اس وقت ہوتا ہے جب انسان کی قوتِ تسخیر کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ زندگی حباب بھی ہے اور سمندر بھی۔ یہ ہمیشہ امتحان سے دوچار رہتی ہے۔ انسان اگر اپنی عظمت کو پہچان لے تو حالتِ خام سے نکل کر پختگی کے عالم میں پہنچ سکتا ہے۔ پختہ ہونے پر انسان ایک ایسی شمشیرِ بے زنہار یا تیغِ براں ہو جاتا ہے جس کی کاٹ سے بچنا محال ہے۔

زندگی کو مسلسل گردشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن گردشوں سے وہ پختہ تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس کیفیت یا حالت میں اس کی ہمیشگی اور دوام کا راز مضمر ہے۔

پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی
ہے یہی اے بے خبر رازِ دوامِ زندگی

یہ جہان ایک زیاں خانہ بھی ہے اور عرصۂ محشر بھی۔ جیسا عمل ہوگا ویسی ہی اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



داش ہوگی۔ گندم از گندم بروید جو زجو۔ جیسا بوؤگے ویسا ہی کاٹوگے۔

یہ گھڑی محشر کی ہے تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

عمل سے ہی زندگی جنت ہے اور عمل سے ہی جہنم۔ انسان خاک سے بنا ہے، نہ نوری ہے ورنہ ناری۔ جو عمل کرتا ہے ویسا ہی صلہ پاتا ہے۔ اچھے عمل کی جزا ہے اور بُرے عمل کی سزا۔ انسان بڑھنے پر آئے تو فرشتوں سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے اور گرنے پر آئے تو حیوانوں سے نیچے پست ہو جاتا ہے۔ یہ ایک طرفہ معجون ہے۔ اس میں فرشتہ خوئی بھی ہے اور حیوان صفتی بھی:

آدمی زادہ طرفہ معجونیست    از فرشتہ سرشتہ از حیوان

بڑھتا ہے قدسیوں سے بھی انساں کبھی کبھی

زندگی کا دارومدار عمل سے ہے عمل ہی کی کسوٹی پر اس کی پرکھ ہوتی ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

زندگی ایک ایسی آگ ہے جو خاکستر نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسا گوہر ہے جو ٹوٹتا نہیں جاتا:

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں    ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

میر تقی میر بھی زندگی کے تسلسل کے قائل تھے۔ ان کا یہ شعر اس ضمن میں قابلِ ملاحظہ ہے:

موت اک زندگی کا وقفہ ہے    یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر

زندگی محدود نہیں ہے۔ یہ دَور ختم ہو گا تو نیا دَور شروع ہو جائے گا۔ اس طرح سلسلہ برچلتا رہے گا:

ختم ہو جائے گا آخر امتحاں کا دَور بھی    ہیں پس نُہ پردۂ گردوں ابھی دَور اور بھی

بال جبریل کے درج ذیل اشعار میں بھی یہی موضوع نظر آتا ہے:

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں    ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں    یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا    ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

اقبال کو شاہین اس لیے پسند ہے کہ اس کی زندگی سکوت و جمود سے نا آشنا ہے۔ حرکت و عمل اس کا خاتمہ ہے۔ اس کا پر پرواز ہمیشہ تگ و تاز میں رہتا ہے۔ اسی لیے اقبال نوجوان نسل کو شاہین کی زندگی اپنانے کی تلقین کرتے ہیں:

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

جوانوں کی تن آسانی یا آسانی انھیں خون کے آنسو رلاتی ہے:

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالیں ہیں ایرانی

لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

انھیں جھپٹ کر پلٹنے اور پلٹ کر جھپٹنے میں مزہ ملتا ہے۔ اس ادا سے لہو گرما تا رہتا ہے۔ لہو میں حرارت نہ ہو تو زندگی قائم نہیں رہتی بلکہ موت واقع ہو جاتی ہے:

جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

ایک وقت تھا کہ اقبال بھی اپنے آپ سے آشنا نہیں تھے، اسی لیے یہ کہنے پر مجبور ہوئے

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے کچھ اس میں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

اور جب وہ خود آشنا ہوئے تو اُن کو سمجھنے والوں کا فقدان رہا۔ حالی کو بھی محرم کی جستجو تھی۔ وہ بھی اپنی تنہائی کے گلہ مند رہے:

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

جب ان کو سمجھنے والے پیدا ہونے لگے اور وہ یہ کہنے پر آمادہ ہوئے کہ:

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

تو بصد افسوس کہنا پڑتا ہے کہ وہ ہم میں نہ رہے، داغِ مفارقت دے گئے، گویا ہمیں تنہا چھوڑ گئے اور خود انجمن میں چلے گئے۔ اگرچہ وہ جسماً ہم میں موجود نہیں لیکن روحاً ضرور موجود ہیں۔ ان کی تخلیقات ہمارے لیے سرمایۂ افتخار ہیں انھوں نے زندگی کا جو درس دیا ہے، اگر ہم اس پر عمل پیرا ہوں تو دنیا و آخرت دونوں میں سرخروئی ہمارے قدم چومے گی۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو زباں تو ہے
یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



## تاریخ جمہوریت : شاہد حسین رزاقی

موجودہ زمانے میں جمہوریت کو عالمگیر مقبولیت حاصل ہے اور اس نے ایک ترقی یافتہ نظریۂ حیات کی شکل اختیار کرلی ہے۔ یہ کتاب قبائلی معاشروں اور یونان قدیم سے لے کر عہدِ انقلاب اور دورِ حاضر تک جمہوریت کی مکمل تاریخ ہے جس میں جمہوریت کی نوعیت و ارتقا، مطلق العنانی اور جمہوریت کی طویل کشمکش، مختلف زمانوں کے جمہوری نظامات اور اسلامی و مغربی جمہوری افکار کو نہایت واضح اور عام فہم انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے بی۔ اے آنرس کے نصاب میں داخل ہے۔

قیمت ۳۰ روپے

## ارمغانِ حالی : پروفیسر حمید احمد خاں

شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی اپنے دور کی عظیم شخصیت تھے۔ ان کی شہرت کا اصل باعث اگرچہ ان کی نظم کو قرار دیا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کو نظم و نثر دونوں اصنافِ سخن پر عبور حاصل تھا۔ چنانچہ نظم کی طرح ان کا حصۂ نثر بھی بڑا جاندار اور بہت سے موضوعات کو محیط ہے۔ وہ سوانح نگار بھی تھے اور ناقد بھی، مفکر بھی تھے اور مصلح بھی۔ انھوں نے اصلاحی، تعمیری، اخلاقی، تعلیمی اور معاشرتی وغیرہ مسائل سے متعلق عمدہ مضامین سپردِ قلم کیے۔

یہ کتاب جو "ارمغانِ حالی" کے نام سے موسوم ہے، ان کے نظم و نثر کا قابلِ مطالعہ انتخاب ہے۔ کتاب میں حالی کے حالات و سوانح بھی مناسب تفصیل سے تحریر کیے گئے ہیں

صفحات ۲۶۱ قیمت ۱۸ روپے

## اسلام اور مذاہبِ عالم : مولانا محمد مظہر الدین صدیقی

مذاہبِ عالم اور اسلام کا تقابلی مطالعہ۔ یہ کتاب یہ بھی وضاحت کرتی ہے کہ اسلام انسان کے مذہبی ارتقا کی فیصلہ کن منزل تھی۔ اس نے تمام مذاہب کے حقائق کو یک جا کرکے اپنی وحدت میں سمو لیا۔

صفحات ۲۴۸ قیمت ۲۰ روپے

© rasailojaraid.com